

مہاندرہ ایکتے ہیں اور پھر اس پر گولائی میں اینٹیں جماتے ہیں اور ایسا حساب کتاب لگاتے ہیں کہ مٹی کے کھونے کے ساتھ ساتھ وہ اینٹیں زمین میں ڈھنستی چلی جاتی ہیں..”

”پاکستانی.. مجھے لگتا ہے کہ بونے کبھی نہیں آئیں گے...“

”بس آرہے ہیں..“ اللہ بخش بے تکان بول رہا تھا ”تو جناب جس روز کنوں تیار ہو جاتا ہے.. پورے کا پورا اپکا اینٹوں کا گول مہاندرہ زمین کے اندر چلا جاتا ہے اور اس کے درمیان میں سے پانی نکلنے کا دن آتا ہے تو وہاں میلہ لگ جاتا ہے.. میٹھے چاولوں کی دلکشی چڑھ جاتی ہیں.. چھوٹے بڑے سب اس کے کناروں پر بیٹھ کر کنوں کے اندر جھانکتے ہیں کہ اب پانی نکلا کہ نکلا.. لیکن بچوں کو سب سے زیادہ انتظار ہوتا ہے کیونکہ کہا جاتا ہے کہ جو نبی زمین کی تہہ میں سے پانی پھوٹتا ہے اس کے ساتھ ہی زمین کے اندر رہنے والے بونے بے آرام ہو کر باہر آتے ہیں اور کنوں کی دیواروں سے چڑھ کر منڈیر پر کوڈ کر اچھلتے ہوئے آس پاس کے کھیتوں میں گم ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوتا ہے کہ وہ نظر ہی نہیں آتے.. آپ آنکھ جھکپو تو اس دوران وہ نیچے سے اوپر آکر منڈیر سے کوڈ کر غائب ہو جاتے ہیں... اس لیے کنوں میں جھانکنے والا ہر بچہ کوشش کرتا ہے کہ اس لمحے آنکھ نہ جھپکے اور انہیں دیکھ لے..“

”بونے سب کو نظر نہیں آتے؟“

”کون ہے؟“ اللہ بخش نے گھبر اکر آس پاس گھورا۔ یہ جانی نہ تھا کوئی اور

تھا..

”میں ہوں اللہ بخش.. ہاشم میر.. مجھے یاد آ رہا ہے کہ میرا باپ بھی مجھے اسی قسم کی کوئی کہانی سنایا کرتا تھا جس میں بونے ہوتے تھے..“

”تم سن رہے تھے؟“

”نہیں.. میں تو غنوڈگی میں گم تھا.. اور مجھے ایسا لگا جیسے بہت سے بونے میرے ارد گرد ناق رہے ہیں اور میں زمین پر گراپڑا ہوں اور وہ فتح کا جشن منار ہے ہیں اور مجھے رسیتوں سے باندھنے کی کوشش کر رہے ہیں.. میں ان رسیتوں کی گرفت کھول کر آزاد ہونا چاہتا ہوں اور اُس کمرے میں جانا چاہتا ہوں جہاں ایک گیس ہیٹر کی گرمائش میری منتظر ہے اور میری ماں گرم دودھ کا گلاس تھامے کھڑی ہے.. میں اُس غنوڈگی سے لمحہ بھر کے لیے باہر آیا ہوں تو تم بونوں کی باتیں کر رہے تھے..“

”بس وہ یونا آنے والا ہے جو مجھے یہاں تک لے آیا..“
 ”میں بھی اُسی کے انتظار میں ہوں..“ جانی کی مددم منتظر آواز آئی..
 اللہ بخش کی مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا.. ہاشم اور جانی اُسے سن رہے تھے..

”آہو.. بونے سب کو نظر نہیں آتے.. صرف اُن بچوں کو کبھی کبھار نظر آجاتے ہیں جو آنکھیں نہیں جھپکتے.. تو میں بھی منڈیر پر بیٹھا کوشش کرتا تھا کہ کنوں کی تہہ پر نظر رکھوں اور آنکھیں نہ جھپکوں اگرچہ میں بچتے نہ تھا.. جب.. تہہ کے کچڑ میں سے ایک بونا لکلا.. اور اینہوں میں اپنے پنج گاڑتا ایک بندر کی طرح میرے برابر میں منڈیر پر آنکلا.. آہو.. قسم ایمان کی سچ کہتا ہوں.. اُس کی شکل عجیب سی تھی.. تھا تو انسان پر لگتا نہیں تھا.. میری انگلی سے بھی چھوٹا ہو گا پر اُس کی داڑھی میرے ہاتھ جتنی لمبی تھی، کچڑ میں لٹ پت.. جسے وہ اپنی چھوٹی چھوٹی مٹھیوں میں بھیچ کر نپوڑتا تھا.. آنکھیں گول گول تھیں بنوں کی طرح.. اور ہاں بالکل بنا لکھا.. ننگ پنگاگا.. اور جب وہ بولا ہے تو اُسی افغانی بابے کی آواز میں جو مسجد میں چندہ مالگئے آیا تھا.. اور اس نے بھی وہی دردناک قصے سنائے۔ کافروں کے ظلم کی داستانیں سنائیں۔ شہادت کا مرتبہ بیان کیا اور کہنے لگا تم جہاد

کرو اور اسلام پر قربان ہو جاؤ.. میں ڈرا ہوا تو بہت تھا پر میں نے ہمت کر کے پوچھا.. پر کیسے قربان ہو جاؤ... کہنے لگا، فوراً اکوڑہ خٹک پہنچو وہاں تمہارا انتظار ہو رہا ہے.. فوراً پہنچو.. لوگی اُس نے یہ کہا اور منڈیر سے اچھل کر کماڈ کے کھیت میں گم ہو گیا.. میں اُس کے پیچھے گیا، بہتیرا تلاش کیا کہ اُس سے یہ پوچھ لوں کہ یہ اکوڑہ خٹک ہے کدھر.. پر جناب ایک انگلی جتنا بندہ کماڈ کے کھیت میں مل سکتا ہے.. وہاں تو ایک زنانی اور ایک بندہ گھس جائیں تو نہیں ملتے وہ کہاں ملتا.. سن رہے ہو؟“

کوئی جواب نہ آیا..

تمہہ خانے میں جتنا اندھیرا تھا اُس سے بڑھ کر خاموشی تھی.. کسی کے کراہنے کی آواز بھی نہ تھی..

”بس تھوڑی سی کہانی رہ گئی ہے.. کوئی مُن نہیں رہا تو میں کہانی ادھوری تو نہیں چھوڑ سکتا.. تو میں نے بعد میں کچھ لوگوں سے پوچھا تو وہ کہنے لگے کہ کوئی بونے شونے نہیں ہوتے.. ایسے ہی بچوں کو بہلانے کے لیے یہ مشہوری ہو گئی ہے.. میں نے انہیں داڑھی والے بونے کے بارے میں بتایا تو وہ ہنسنے لگے کہ ہوناں میراثی.. مسخریاں کرتے ہو.. ہم نے تو کوئی بونا نہیں دیکھایا تمہارے خیال ہی خیال میں ہے سچ مجھ نہیں ہے.. پر میں دین ایمان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ بونا تھا.. تو جناب عالی میں کسی کو بتائے بغیر گھر سے نکلا اور کسی نہ کسی طرح اکوڑہ خٹک پہنچ گیا.. اور وہاں کے مدرسے میں بھرتی ہو گیا.. بڑی موج تھی.. حیاتی میں پہلی بار تین وقت کی روٹی ملی.. تین کپڑے اور چپل ملی.. سونے کو چار پائی ملی.. اور ساتھ مفت میں دینی تعلیم بھی.. میرے ساتھ جتنے طالبان تھے ان میں سے بیشتر مجھ ایسے ہی تھے.. پتہ نہیں انہیں بھی بونے نے ہی ادھر بھیجا تھا.. شہروں کے لڑکے بھی تھے جو اتنے غریب غرباتھے کہ سکولوں کی فیسیں نہیں دے سکتے تھے

پر پڑھنے کا شوق تھا.... یہاں تعلیم بھی ملتی تھی.. کتابیں بھی ملتی تھیں اور سب سے بڑھ کر عزت بھی ملتی تھی ورنہ شہر میں تو وہ بے عزت ہی رہتے تھے.. گاؤں کا فائدہ یہ ہے کہ وہاں اگر آپ کمین ذات کے ہو تو صرف اپنے چوہدریوں کے ہو جو تمہارا خیال بھی رکھتے ہیں.. شہر میں تو ایسے غریب مسکین پورے شہر کے کمین ہوتے ہیں اور کوئی بھی ان کا خیال نہیں رکھتا... تو اس مدرسے میں بڑی موج تھی.. اب اگر وہ موج کرتے ہیں تو یہ بھی تو کہہ سکتے ہیں کہ اُنھوں نے بخش افغانستان جا اور جہاد کر.. ویسے ہمارے جو بڑے مولوی صاحب تھے بڑے امیر کبیر تھے.. ہوائی جہازوں جیسی توائیں کے پاس درجنوں کاریں تھیں.. مدرسے سے نکلتے تھے تو درجنوں ہتھیار بند مرید آس پاس ہوتے تھے.. سنا تھا کہ انہیں عرب ملکوں سے بڑی رقم امداد میں ملتی ہے... پر خدا کو جان دینی ہے وہ ہم پر بھی بڑا خرچ کرتے تھے اور عزت دیتے تھے.. بڑے مولوی صاحب کی بڑی مشہوریاں تھیں.. اسلام آباد میں بڑا اثر و رسوخ تھا اور حکومت والے بھی ان سے ڈرتے تھے.. پر دوسرے مدرسے والے طالبان ہمیں بڑا چھیڑتے تھے کہ تمہارا مولوی سینڈوچ ہے.. اللہ معاف کرے جہنمی کہتے تھے کہ نیچے کوئی اور اپر کوئی اور.. پتہ نہیں مجھے تو سمجھ نہیں آتی کہ یہ کیا بہتان ہے.. پر بھائی مجھے کیا.. مجھے تو حیاتی میں پہلی بار تین کپڑے اور تین وقت کا کھانا ملا تھا.. اور کوئی مجھے بخشو میراثی نہیں کہتا تھا حضرت اللہ بخش کہتے تھے.. ہاں مجھے کیا.. مجھے تو ایک بونے نے وہاں بھیجا تھا.. یہ کہتا ہوں یہ بونا خیال ہی خیال میں نہیں آیا تھا جس کنوں کی منڈیر پر بیٹھا مجھ سے باقیں کرتا تھا.. آہو!.. تو میں ایسے یہاں پہنچ گیا.. سن رہے ہو؟.. اونے مر گئے ہو؟“

جیے بونے نظر نہیں آتے ایسے وہ طیارے بھی نظر نہیں آتے تھے..
آتے تھے اور اپنا ہلاکت خیز بوجھ گرا کر چلے جاتے تھے..
ان طیاروں میں نصب شدہ کیمروں کی متحرک تصویریوں میں نیچے زمین
ایسے نظر آتی ہے جیسے خمیر شدہ آٹا...
ہزاروں برس پرانی ایک مقدار کتاب میں بھی یہی درج ہے کہ اوپر...
جب انسان بہت بلندی پر چلا جائے تو وہاں سے زمین ایسے نظر آتی ہے جیسے
خمیر شدہ آٹا حالانکہ اس زمانے میں سیپلائٹ ایجاد نہیں ہوئے تھے..
توجہ اُن طیاروں میں نصب کیمروں کی متحرک تصویریں میلی ویژن
سکرین پر ایک احساس تکبر کے ساتھ دکھائی جاتی ہیں اور خمیر شدہ آٹا جو کہ زمین
ہوتی ہے اُس پر زوم ان کرتے چلتے جاتے ہیں توجہ دھبے اور بلبلے سے دکھائی دے
رہے ہوتے ہیں وہ واضح ہونے لگتے ہیں.. قریب سے قریب تر ہوتے چلتے جاتے
ہیں تو گاؤں۔ آبادیاں۔ بستیاں اور کھیت اپنی شکل ظاہر کرنے لگتے ہیں یہاں تک
کہ آپ قربت.. تکنیکی مہارت کی قریب ترین قربت تک پہنچتے ہیں تو اُن
آبادیوں کے گھر اور مکین بھی دکھائی دینے لگتے ہیں.. اور تب آپ اپنا پہلا ذیزی
گٹھر ریلیز کرتے ہیں... چونکہ یہ ایک منی ایٹم بم بھی کہلاتا ہے اس لیے اس کا
وزن بہت ہوتا ہے اور یہ وہاں تک پہنچنے میں دیر نہیں لگاتا... اور تب کیمرے کی

متحرک تصویر میں ایک ہلاکا سا شعلہ بھڑکتا ہے جسے دیکھ کر اُسے ریلیز کرنے والا ہاتھ ایک بے اختیار مسرت میں اٹھتا ہے اور انگلیوں سے ”وی“ کا نشان بنائے اطمینان قلب کا اظہار کرتا ہے ”آئی گاٹ دی باسٹرڈز“ اور طیارے کو واپسی کی پوزیشن میں لے جاتا ہے..

وہ صرف اُس شعلے کو اٹھتے ہوئے دیکھ کر لوٹ جاتا ہے.. حالانکہ اصل تماشہ تو بعد میں شروع ہوتا ہے.. سب کچھ بھسم ہونے لگتا ہے.. قربی میلے اور پہاڑیاں ملیا میٹ ہو کر بستی کو دفن کرنے لگتے ہیں.. بستی کے گھر اور گھروں کے اندر جو کچھ عام طور پر ہوتا ہے.. یعنی بچے۔ اُن کے کھلونے۔ بوڑھے۔ اُن کی دستاریں اور لامبیاں.. عورتیں۔ اُن کے چوہے اور سنگھار وہ سب کے سب اس شعلے کی زد میں آکر اسے مزید بھڑکانے میں معاون ثابت ہوتے ہوتے ہیں کیونکہ انسانی بدن کی چربی خوب ہی جلتی اور بھڑکتی ہے.. ”آئی گاٹ دی باسٹرڈز“

ڈیزی کٹر ایک تہذیب یافتہ بم ہے.. اور نیپام کی مانند صرف جلاتا نہیں باسٹرڈز کی چربی کو بھی ضائع نہیں کرتا اور اُس سے شعلے تخلیق کرتا ہے..

اس کے سینکڑوں چھوٹے چھوٹے زرد بچے بھی ہوتے ہیں جو بعد میں بھی انسانی بچوں کی جانوں سے کھلیتے رہتے ہیں..

ایک اور کیمرے کی تصویر میں اوپر آسمانوں میں محفوظ آنکھ ایک کچھ فصیل میں گھرے قلعہ جنگی کو دیکھتی ہے اور کہتی ہے ”تم جہاں یہ سفیدی اور عمارتیں دیکھ رہے ہو اس کے صحن میں ہی کہیں وہ باسٹرڈز ہیں.. ان پر اپنا بوجھ گرا دو.....“

بنجے قلعہ جنگی کے کچھ صحن میں وہ باسٹرڈز بغاوت کر رہے تھے جن میں سے بیشتر کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے لیکن کیمرہ اتنا کلوڑ نہیں جاتا.. وہ طیارے اپنے مدار پر گھومتے اپنا فرض ادا کر کے واپس چلے گئے تھے..

گمروہ دوبارہ ادھر آتے اور ان کے کیمرے ایک اور کلوڑاپ اُتارتے تو اُس میں وہ سینکڑوں باسٹرڈز نظر نہ آتے.. وہ ڈھول میں بچھے ہوئے .. ریزہ ریزہ ہو چکے ہوتے کیسے نظر آتے.. اتنی بلندی سے بہتا ہوا خون تو بالکل ہی نظر نہیں آتا.. نہ ہی رزقِ خاک ہونے والے نظر آتے ..

یہ ایک بے مثال نارگٹ پر یکیش تھی ..

البته ابھی کچھ ایسے باسٹرڈز باقی تھے جو اُس قلعے کے تہہ خانے کی تاریکی میں ایک مردہ گھوڑے کے نیچے.. کائے ہوئے ڈھانچے کے آس پاس پڑے تھے.. چونکہ وہ تہہ خانے میں تھے اس لیے کیمرہ اُن کی متحرک تصویر بنانے سے قاصر تھا.. نہ ہی یہ پتہ چل سکتا تھا کہ نیچے ایک مکر چاندنی ہے.. دھوپ ہے یا شب کی سیاہی ہے ..

اگر اُس کیمرے میں ذرہ بھر بھی رومانیت کا عضر ہوتا تو وہ یقیناً قلعہ جنگی کے صحن پر اتری ہوئی مکر چاندنی کی ایک رومان پرور تصویر اُتار لیتا.. لیکن زیادہ کلوڑ نہیں کیونکہ اس طرح اُس رومان میں لا شیں اکڑنے لگتیں ..

اور اگر اُس آسمانی کیمرے میں حصہ شعر کا کوئی کل پر زہ فٹ ہوتا تو وہ قلعہ جنگی سے کچھ فاصلے پر بُخ کے ہندروں کو فوکس میں لا کر مشنوی مولانا روم کی آہٹ سن لیتا.. اُس بُخ کو فوکس کرنے میں بے حد آسمانی ہوتی کیونکہ وہاں ابھی تک ایک آتش پرست اپنے شعلے کو بجھنے نہ دیتا تھا.. کیمرے کو فوکس کرنے کے لیے ایسی روشنی معاون ثابت ہوتی ہے ..

آتش پرست کو خوش ہونا چاہیے تھا کہ صرف بُخ کے ہندروں میں ہی نہیں ہر جگہ ہر مقام پر انسانی چربی کے الاوروش ہو رہے تھے ..
گھوڑے کا ڈھانچہ اب بُودینے لگتا ..

اُن سب کے نیم مردہ ڈھانچے بھی ایسے ہو چکے تھے کہ اُن میں سے بھی

بوأنھو رہی تھی.. لیکن ان کی .. گھوڑے کی .. اور ان سب کی بُو صرف وہی سونگھ سکتے تھے ..

لیکن وہ نہیں سونگھ سکتے تھے ..

بے شک بُلخ کا آتش پرست ایک ہمسایہ ہو .. مزار شریف قریب ہو .. جہاں جشن کی رات ہو .. تب بھی قلعہ جنگلی کے کچے صحن میں .. بے شک چاندنی ہو .. جتنی بھی لاشیں تھیں ان کی تھے آور مردہ بُو سے الگ ان کی ابھی تک زندہ بُو تھی .. گھوڑے کی .. اور ان سب کی ..

بامیان وہاں سے بہت دور نہ تھا ..

لیکن وہاں تک ان کی بُونہ جاتی تھی ..

اگر جاتی تو بدھ کے چٹاں قامت مجسموں کے نہنوں میں جاتی تو مہاتما کے پھر لیے لبادے بھی اُسے برداشت نہ کر سکتے اور وہ خود بخود مسماਰ ہو جاتے .. ویسے اب کوئی فائدہ نہ تھا .. بُو کے جانے کا ..

جہاں بدھ کے مجسمے تھے وہاں اب ایک عظیم چٹانی خلا تھا ..

اگر جاتی تو اس خلا کو ماہم کناں پا کر پھر سے قلعہ جنگلی کو لوٹ آتی ..

جبھیں بندِ امیر میں جتنے بھی نیلگوں پانی تھے وہ اس بُو کوڑ بُو نہیں سکتے تھے ..

اتنی بُو تھی ..

اور اس کے باوجود یہ بُو کوئی اور محسوس نہیں کر سکتا تھا ..

اس لیے بھی کہ ہر بُو کا ایک مذہب ہوتا ہے ..

ایک الگ مذہب والے اُس بُو کے وجود کا احساس نہیں رکھتے .. ایک جدا

تہذیب والے تو اس کا گمان بھی نہیں کر سکتے ..

اس تہذیب کی بُو اس تہذیب تک کبھی نہیں پہنچتی .. اسی کو تہذیب کا

نکر اور کہتے ہیں .. تھہ خانے میں سٹرل ہینگ کا بندوبست تو تھا نہیں اس لیے وہاں سردی اتنی تھی کہ وہ خود بھی ٹھہرتی تھی .. سردی تھی لیکن اُسے کوئی بھی محسوس نہیں کرتا تھا .. نہ وہ ادھ کھایا گھوڑا .. اور نہ وہ سات سوار جو اپنے تصور کامل کے گھوڑوں پر سوار یہاں تک آن پہنچے تھے ..

آن میں ایک نے ایک بونے کے کہنے پر ادھر کا رُخ کیا تھا ..

ایک ”بدی کی سلطنت“ کو اپنے تیس منتشر کر دینے والے باپ کا بیٹا

تھا ..

کوئی شریعت یا شہادت کے شوق میں یہاں پہنچ گیا تھا ..
گھر بیو زندگی کی بدی سے فرار حاصل کرنے والا بھی یہیں نیم مردہ تھا ..
کسی کو گروزني کا احسان چکانے اور امام شامل کے خواب کو پورا کرنے کی فکر تھی ..

جانی کہتا تھا کہ عمارتیں جتنی بلند ہو جاتی ہیں ان میں رہنے والے انسان اتنے چھوٹے ہوتے چلے جاتے ہیں اور وہ ایک نئے عقیدے کا کچا کوٹھا تغیر کرنے کی خواہش میں یہاں تھا ..

اُس کا باپ پہلے کیونٹ تھا اور بعد میں یہودی ...

”جانی.. تمہاری نسل کتنی بد نصیب ہے کہ تمہارے پاس خواب دیکھنے کے لیے.. ایک مقصد کے لیے کمرستہ ہونے یا ایک تصور کامل کے لیے جدوجہد کرنے کے لیے کچھ باقی نہیں رہا... ایک مہنگا گھوڑا.. ایک سبک رفتار ایک رقص کی سی نزاکت کے ساتھ دوڑنے والا پونی براونی جو میں نے تمہارے شوق کی خاطر تمہیں خرید کر دیا ہے ایک تصور کامل کا مقابل تو نہیں ہو سکتا.. غلط یا صحیح اس کے بارے میں تم بحث کر سکتے ہو لیکن ہمارے لیے ہماری نسل کے لیے سو شلزم ایک ایسا تصور کامل تھا جو ہماری زندگیوں کو وقعت دیتا تھا.. ہم صدیوں کے بو سیدہ نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہتے تھے... ہم ریچڈ آف دی ارٹھ کو... غریب کو.. کسان اور مزدور کو عزت نفس اور حکمرانی دینا چاہتے تھے.. ہاں میں جانتا ہوں کہ اس خواہش کے نتیجے میں جو سلطنت قائم ہوئی اور جن ملکوں میں اس کی پیروی کی گئی وہاں تبدیلی کے عمل کے دوران شخصی آزادیاں سلب ہوئیں کہ ہم اجتماعی آزادی کے دعوے دار تھے.. بیگار یکپ وجود میں آئے.. لاکھوں لوگ فنا کر دیئے گئے.. قوموں کو ان کے آبائی وطن سے اکھاڑ کر بکھیر دیا گیا.. لیکن اس میں ہم خواب دیکھنے والوں کا.. ایک مکمل تصور کے لیے جدوجہد کرنے والوں کا تو کوئی دوش نہ تھا... تم یہ بھی تو دیکھو.. کہ فاشزم اور نازی ازم کے سیالاب کے سامنے ہمارے وجود نے بند باندھا.. لینن گراؤ اور شالن گراؤ میں ان کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹی.. اگر

ہم اپنے فلسفے پر یقین نہ رکھتے اور اُس سیلا ب کے سامنے ریت ہو جاتے تو کیا آج مغربی یورپ کا وجود ہوتا.. ہم اتنے بڑے مجرم نہیں تھے جتنا ہمیں بنادیا گیا.. سرمایہ دار قوتون نے اگر سو ویٹ یو نین کو منتشر کر دیا ہے تو کیا اب صورت حال پہلے سے بہتر ہو گئی ہے.. جہاں پہلے پارٹی پروپگنڈے کے پھلفت اور کتابچے چھپتے تھے تو اب ان کی جگہ پورنو گرافک میگزین اور گلیمس جرائد چھپتے ہیں تو کیا یہی آزادی ہے؟.. ماسکو اور سینٹ پیٹرزبرگ میں اب ماسکو وچ ایسی بھدی اور بد نما کاروں کی بجائے اگر مرسیدیز اور بی ایم ڈبلیو کے نئے نئے چمکدار اور چکنے ماڈل نہایت آہستہ خرامی سے سرخ چوک اور ونٹر پیلس کے پتھروں پر حرکت کرتے ہیں تو کیا یہی جمہوریت ہے.. فٹ پاٹھوں اور گلیوں میں بھکاریوں کی تعداد اگلی بھروسے سے بڑھ گئی ہے کہ ریاست کی جانب سے بوڑھوں اور لاچاروں کو قلیل سہی مگر پیش ملتی تو تھی جواب بند ہو گئی ہے تو کیا یہی نتیجہ درکار تھا.. بالشوی تھیز میں سوان لیک بیلے کی بجائے اگر پاپ سنگر اچھلتے کو دتے ہیں تو کیا یہی ثقافت ہے.. اس آزادی، جمہوریت اور نئی ثقافت کے دور میں ڈوس کی سب سے بڑی ایکسپورٹ بھاری مشینی یا گیگ طیارے نہیں ہیں.. عورت کا گوشت ہے.. ہانگ کانگ اور بنکاک میں مقامی جسم فروشوں کا کاروبار ٹھپ ہو گیا ہے کہ ان کا جسم مختصر تھا اور رو سی جسم کا جنم زیادہ ہے اور قیمت کہیں کم.. یہاں تک سینی گال اور ایتھوپیا میں قحط سے مرتے ہوئے مرد بھی انہیں افروڈ کر سکتے ہیں کہ قیمت اتنی کم ہے.. بمبئی اور کراچی تو بڑے شہر ہیں وہاں کے قصبوں میں بھی اب رو سی بدن رائج ہے.. میرا ایک دوست دوہنی سے لوٹا تو اُس نے بتایا کہ وہ جس لڑکی کو اپنے ہوٹل کے کمرے میں لایا وہ رو سی ادب کی ٹیچر تھی اور اسے پُشکن کی پوری شاعری یاد تھی اور وہ چھ زبانیں جانتی تھی لیکن نئے رو سی میں اس کے لیے کوئی جگہ نہ تھی... ڈوس اب مصنوعی سیاروں کو خلا میں چھوڑنے کی بجائے گوشت پوست

کے بننے ہوئے زندہ سیارے دنیا بھر میں گردش کرنے کے لیے ایکسپورٹ کر رہا
ہے....

نہیں نہیں میں ہرگز کیونٹ نظام کا دفاع نہیں کر رہا..
اگرچہ یہ نظام اب بھی دنیا کے بہت سے ملکوں میں رائج ہے.. اور وہاں
یہ اس لیے قائم اور کامیاب ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ اُس میں تبدیلیاں آتی
روئی ہیں..

یہ صرف سوویٹ یونین کی ناکامی تھی.. لیکن ہم تو ماں کے کردار سے
ہی سب کچھ پر کھتے ہیں.. اور سوویٹ یونین ماں تھی..

اُس نے دنیا بھر کے خواب دیکھنے والوں کو مایوس کیا ہے..
کہنا میں یہ چاہتا ہوں .. تمہیں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہم لوگ ..
ہمارے عہد کے .. اور ہماری نسل کے نوجوان اپنی کاز پر اتنا گہرا یقین رکھتے تھے
جتنا کہ شیروں کے آگے ڈالے جانے والے عیسائی .. فرعون کے سامنے نہ جھکنے
والے ہمارے یہودی آبا اجداد یا مکہ کے بت پرستوں کے ہاتھوں اذیتیں جھیلنے
والے محمدؐ کے پیروکار رکھتے تھے ..

یہ سب بھی تو ایک تصور کامل کے حصول کے لیے ہی اپنی جانیں داؤ پر
لگاتے تھے ..

یہ امید کرنے والے لوگ تھے ...
اور امید کرنے والے کبھی بے حرکت نہیں ہو سکتے ...

اور جب وہ متحرک ہوتے ہیں تو انہیں ہمیشہ دہشت گرد کا مقابل کوئی
بھی نام دیا جاتا ہے اُن قوتوں کی جانب سے جو اگرچہ اقتدار میں ہوتی ہیں لیکن
سکوت اور جمود میں ہوتی ہیں اور وہ خوفزدہ ہوتی ہیں کہ یہ متحرک لوگ اُن کے
نظام کو متزلزل کر دیں گے ..

دونوں کا نکتہ نظر سمجھ میں آتا ہے..

وہ جو امید کرنے والے ہوتے ہیں غیر متحرک نہیں ہو سکتے..

اور وہ جو جمود میں ہوتے ہیں متحرک ہونا افروذ نہیں کر سکتے..

تمہیں یہ پاگل پن لگتا ہے نا متحرک ہونا.. کسی کا زپر اتنا یقین رکھنا کہ

اس کے لیے اپنی زندگی گنوادینا..

لیکن ہم نے بے عزت ہونے.. غریب ہونے اور بے وجہ ہونے سے انکار کر دیا تھا.. کیونکہ ہمارے پاس اپنی زنجیروں کے کھونے کے سوا اور کچھ نہ تھا.. کھونے کے لیے..

اور ہم سے مراد میں.. واکر نہیں ہوں.. سب دنیاوں کے باشندے ہیں اور بے شک میں ایک آسائش کی زندگی گزارتا تھا لیکن کہیں افریقہ یا ایشیا میں جانوروں ایسی زندگی گزارنے والے کے لیے بھی اپنی جان گنو سکتا تھا.. اب کوئی انکار نہیں کرتا..

اجتیاعیت کی جگہ انفرادیت نے لے لی ہے..

میری ڈبل روٹی پر اگر مکھن کالیپ ہے تو مجھے کیا غرض کہ اس دنیا میں ایسے لوگ ہیں جو گھاس اور کچڑ سے پیٹ بھرتے ہیں..

اسی لیے تم میں کوئی بھی اب خواب دیکھنے کے قابل نہیں رہا..

ایک پونی.. ایک سپورٹس کار.. بھرے بدن اور لمبی ٹانگوں والی ایک

لڑکی.. بہترین شراب اور ہیر و ہن کا میسر آ جانا تو خوابوں کا ایک حصہ نہیں بن سکتا..

ارنسٹوچے گویرا بھی تو ایک ایسا شخص تھا جس نے انکار کر دیا تھا.. اگرچہ

وہ ایک کامیاب انقلاب کے بعد کیوں باکانا سب صدر تھا، محلوں میں رہائش رکھنے والا

تھا لیکن اُس نے بولیویا میں جو بے عزت اور بے وجہ لوگ تھے ان کی بے عزتی اور

بے وجگی کے تسلسل سے انکار کر دیا تھا.. امریکہ اور یورپ کی اُس عہد کی نوجوان

نسل کا وہ پو سٹر ہیر و تھا.. اُس نسل کے بیشتر نوجوان کیونزم سے قطعی طور پر
اتفاق نہیں کرتے تھے لیکن وہ ان کا ہیر و اس لیے تھا کہ وہ ایک تصور کامل کی
جد و جہد میں اپنی جان گنو ابیٹھا تھا..
تم اوں گھنے لگے ہو جانی واکر...
بور ہو گئے ہو..

اپنے پسندیدہ پونی پر رائڈنگ کے لیے جانا چاہتے ہو اور ایک
بوڑھے شخص کے لیکھر میں دلچسپی نہیں رکھتے.... رائڈنگ کے بعد تم ایک چمکیلی
تیز رفتار سپورٹس کار میں برابر کی نشست پر اپنی لمبی نالگوں والی گرل فرینڈ کو بھا
کر وہاں لے جاؤ گے جہاں تم جیسے اور بھی ہیں۔ بہترین شراب اور ہیر و میسر
ہے.. میں تمہیں روکوں گا نہیں لیکن یہ تو بتا سکتا ہوں کہ تمہارے پاس کوئی
خواب نہیں..

کسی تصور حیات کا نیا نقشہ نہیں..

جو بھی موجود حیات ہے تمہارے لیے بس یہی حیات ہے..
یہی مکمل بھج ہے اور یہی اوں اور آخر ہے..

کس نے کہا تھا کہ جو انسان کسی مقصد کے لیے جان نہیں دے سکتا وہ
اس قابل نہیں کہ زندہ رہے.. مارٹن لو ٹھرینگ نے شاید!

جانی تم سمجھ رہے ہو ناں..

جانی کچھ کچھ سمجھ رہا تھا..

لیکن تصور کامل پر اتنی شدت سے ایمان رکھنے والا باپ بھی ایک لمحے
کے لیے ناٹے میں آ گیا جب ایک روز جانی نے اُسے بتایا کہ اس نے اپنا آبائی
عقیدہ تبدیل کر لیا ہے.. مسلمان ہو گیا ہے اور عربی سیکھنے کے لیے یمن جا رہا
ہے..

جانی تو کچھ کچھ سمجھ رہا تھا لیکن وہ کچھ بھی نہ سمجھ سکا.. اُسے جانی کے چاند پر چلے جانے سے اتنی حیرت نہ ہوتی جتنی اُس کے یوں یکدم اسلام قبول کر لینے سے ہوتی..

”جانی.. آئیڈیل تونڈ ہب سے ماورا ہوتا ہے.. اُس کی بنیاد الوہی نہیں انسانی سوچ پر ہونی چاہیے..“

”آپ نے ہمیشہ یہ بھی تو کہا کہ شیروں کے سامنے ڈالے جانے والے اولین عیسائی اور ہم.. آپ یہودی اور ہم مکہ کے بت پرستوں کے سامنے اپنے حق کا اعلان کرنے والے بھی اسی تصور کامل کی جگتوں میں تھے..“

”ہاں.. اُس عہد اور ان انسانوں کے حوالے سے وہ ایسے ہی تھے.. لیکن ان زمانوں میں.. تصور کامل کسی مذہب یا عقیدے سے ماورا ہونا چاہیے..“

”کیوں؟“

جانی کا باپ چپ ہو گیا..

”کیوں ڈیڈی... آپ نے ہی تو مجھے یہ پٹی پڑھائی تھی کہ کسی مقصد.. اپنی مقصد اور تصور کے بغیر زندگی گزارنا ایک حیوانی عمل ہے.. یاد ہے آپ بلیک مسلم کو بے حد ایڈ مار کرتے تھے کہ یہ حیرت انگیز لوگ ہیں.. ان میں سے یشتراقیل.. غنڈے ڈاکو.. زنا کے مرتكب اور الکوہلک تھے اور جیلوں میں بند تھے.. اور پھر عالی جاہ محمد نے انہیں ایک راستہ دکھایا اگرچہ وہ خود را راست پر نہ تھے.. لیکن انہوں نے ایک تصور کامل تو دیا اور پھر وہی لوگ ایسے صابر و شاکر ہوئے کہ با قاعدگی سے عبادت کرنے لگے.. عورت اور الکوہل سے اجتناب کرنے لگے.. گلیوں بازاروں میں کھڑے اپنے عقیدے کی ترویج کے لیے پمفلٹ بانٹتے تھے اور جب لوگ ان پر تھوکتے تھے تو وہ مسکراتے تھے اور کسی پر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے.. یاد ہے؟.. میں بھی میلکام ایکس کے افکار اور حیات سے متاثر

ہوا اور پھر اس نئے راستے کو تلاش کیا.. ہاں مجھے اس مذہب میں ایک تصور کامل دکھائی دیتا ہے .. پوری دنیا میں بدی کی قوتوں کے خلاف جہاد کیا جائے .. ایک ایسا نظام قائم کیا جائے جو عقیدے کے ساتھ مطابقت رکھتا ہو .. ”

”تم یہودی رہ کر بھی تو ایک ایسے نظام کے لیے کوشش ہو سکتے تھے .. ”

”شیٹ آف اسرائیل کے لیے؟“

جانی کا باپ پھر چپ ہو گیا ..

یہودیوں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ چپ رہتے ہیں ..

ٹنگ رہتے ہیں ..

بولتے نہیں ..

بے شک وہ فرانڈیا آئن شائن ہوں بولتے نہیں .. اگر وہ بولتے تو اب تک مکمل طور پر فنا ہو چکے ہوتے .. ہزاروں برسوں سے سونے سے پیشتر دنیا کا ہر یہودی بیت المقدس والپی کے لیے خدا سے دعا کرتا ہے مگر باہر چپ رہتا ہے .. ان کی دعائیوں ہو چکی ہے پھر بھی وہ دعا مانگتا جاتا ہے .. لیکن وہ تبھی چپ رہتا ہے جب کمزور ہوتا ہے .. اور جب اُس کے پاس قوت آجائے تو وہ دوسروں کو فنا کر دینے والی مشین بن جاتا ہے

آن میں ایک اور خوبی بھی ہے .. وہ کبھی کبھار کسی تصور کامل کے لیے اپنے عقیدے کو بھی فراموش کر دیتے ہیں ..

یہ پہلی بار تھا جب جانی کا باپ چپ ہوا اس کے عقیدے کی تبدیلی پر ..

دوسری بار وہ تب چپ ہوا جب جانی نے افغانستان جانے کا راہ در طاہر

کیا ..

”کیوں؟“

”آپ کے والد نے آپ سے پوچھا تھا کہ آپ کیونسے کیوں ہو گئے تھے“

”نہیں..“

”چے گویرا سے کسی نے پوچھا تھا جب وہ سب کچھ ترک کر کے بولیویا

جار ہاتھا؟“

”اگر اُس کا باپ زندہ ہوتا تو ضرور پوچھتا.. کہ کیوں؟ اسی لیے میں تم سے پوچھنے کا حق رکھتا ہوں..“

”اسلام نے مجھے مقصدیت دی ہے.. ایک کازدی ہے.. گناہ۔ ثواب۔ دوزخ اور بہشت اور بھائی چارے کا ایک تصور دیا ہے..“

”یہ سب تصور تو عیسائیت اور جوڑا الزم میں بھی موجود ہیں..“

”لیکن یہ ساکن عقیدے ہیں اور اسلام متحرک ہے.. آپ اپنا لیکھر بھول گئے ہیں کہ.. امید کرنے والے غیر متحرک نہیں ہو سکتے.. میں طالبان کا ساتھ دینا چاہتا ہوں..“

”طالبان.. کم آن جانی تم سیر لیں نہیں ہو سکتے“

”میں اتنا ہی سیر لیں ہوں جتنے کہ شیروں کے سامنے ڈالے جانے والے عیسائی ہوا کرتے تھے ڈیڈی..“

جانی کے باپ کا چہرہ جتنا ذکر سن جمال سکتا تھا، اس پر اتنا تھا اور جتنا غصہ عیاں ہو سکتا تھا بس اتنا ہی تھا ”تم اُن جاہل اور حشی ملاوں کا ساتھ دینے جار ہے ہو جنہوں نے افغانستان کو پتھر کے زمانے میں دھکیل دیا ہے جانی.... جہاں رباب بجانا جرم ہے... فٹ بال کے نوجوان کھلاڑیوں کے سر موٹھ دیئے جاتے ہیں کیونکہ وہ نیکریں پہن کر کھیل رہے ہوتے ہیں اور یوں ان کی تانگیں دیکھ کر ملاوں کے ایمان خراب ہوتے ہیں... تمام عورتوں کو بر قعوں میں دفن کر دیا گیا ہے اور بچیاں سکول نہیں جا سکتیں.. ہبتالوں میں لیڈی ڈاکٹروں کو جواب دے دیا گیا ہے اور وہ بر قعہ اوڑھے کابل کی گلیوں میں بھیک مانگتی ہیں.. مردوں کی داڑھیاں مٹھیوں

میں بھینچ کر ناپی جاتی ہیں اور اگر ان کے بال مٹھی سے باہر نہ لکھیں تو انہیں بیدارے جاتے ہیں.. جانی خدا کے لیے تم کیسے نظام کی مدافعت کے لیے جا رہے ہو.. کسی عورت کے اگر ختنے نظر آ جائیں تو اُسے سر بازار روایا کیا جاتا ہے.. گالیاں دی جاتی ہیں اور ٹخنوں پر بیدار سید کیے جاتے ہیں... ہزاروں بیوائیں اپنے بچوں سمیت بھوکی مر رہی ہیں کیونکہ عورت کو کام پر جانے کی.. بلکہ تھا باہر جانے کی بھی اجازت نہیں... فوٹوگرافی کی بھی ممانعت ہے.. میلی ویژن توڑ دیئے گئے ہیں... نہ صنعت ہے نہ تجارت ہے اور نہ تعلیم.. ملا عمر جو کبھی قندھار سے باہر ہرات تک نہیں گیا اُس کا اندر حارج ہے.. اور تم ان کی صفوں میں شامل ہونے کے لیے جا رہے ہو..”

”ہاں..“ جانی نے صرف اتنا کہا..

”لیکن کیوں؟“

”چے گویرا سے کسی نے پوچھا تھا کہ کیوں.. اگر اُس کا باپ زندہ ہوتا تب بھی نہ پوچھتا کہ کیوں.. لیکن میں آپ کو بتاتا ہوں کہ کیوں... انہوں نے بھی بقول آپ کے... انکار کیا ہے... بیوقوفی کی حد تک اپنے موقف پر قائم رہے ہیں.. وہ بے شک قدرے گمراہ ہیں لیکن اپنے مقصد کے حصول کے لیے.. اپنے قصور کامل کے لیے کھرے ہیں.. ان میں جہالت بے شک ہے لیکن کھوٹ نہیں.. وہ مکمل اختیار رکھنے کے باوجود ایماندار ہیں اور ان پر بے شک سوا لازم سہی لیکن کر پیش کا لازم نہیں... کیا آپ دنیا کی کسی اور ریاست اور اس کے حکمرانوں کے بارے میں یہ کہہ سکتے ہیں؟.... اسی لیے دنیا کی بہت کم ریاستوں نے انہیں قبول کیا ہے کہ ان کی موجودگی میں موازنہ ہو جاتا ہے.... اور یہ موازنہ بہت سے چہروں پر کالک مل دیتا ہے.. انہوں نے تاریخ میں پہلی بار اپنے ملک کو ہتھیاروں اور افیم سے پاک کیا ہے.. عورتوں کے حقوق چھینتے ہیں لیکن

اُن کو ایک غیر متوقع احترام اور عزت نفس لوٹاتے ہیں... بے شک وہ قدرے بھٹکے ہوئے ہیں لیکن وہ ایک تصور پر مکمل یقین رکھتے ہیں آپ کی نسل کی مانند... آپ کی نسل نے بھی تو کیونزم کی جہالت اور ظلم کو صرف اس لیے برداشت کیا کہ آپ کے سامنے ایک بُدا مقصد تھا جس کے حصول کے لیے یہ سب کچھ جائز ٹھہرتا تھا.. آپ کی پسندیدہ ریاست نے بھی تو لاکھوں لوگوں کو قتل کیا... دہشت کو اپنا آئین بنایا.. ٹرو ٹسکی کو مرتد ٹھہرایا اور قتل کروایا.. آپ اپنے عقیدے کی پختگی میں ان ملاؤں سے بدتر تھے کیونکہ آپ سب تو پڑھے لکھے تھے اور اس کے باوجود مارکس کے ترازو پر جو پورا نہ اترتا تھا اسے بید نہیں مارتے تھے جان سے مار دیتے تھے... آپ بھی تو گمراہ تھے اپنے وقت کے طالبان تھے.. ان سے بدتر تھے.. طالبان نے صرف اسلام کی تشریع یا تصریح میں مارکھائی ہے آپ کی طرح دیگر قومیتوں پر اپنا نظام نہیں ٹھونسا.. آپ مجھے یہ بتا دیجئے کہ اگر اس لمحہ موجود میں.. مجھے اپنی زندگی کو قادر دینے کے لیے بھی زندگی قربان کرنے کی خواہش ہو تو میں اور کہاں جاؤں گا..”

جانی کے باپ کو احساس ہو گیا کہ پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی بہہ گیا ہے اور وہ پانی کبھی واپس نہیں آ سکتا اس لیے وہ پھر چپ ہو گیا..

”میں اُن کی کمزوریوں اور جہالت سے آگاہ ہوں ڈیڑی لیکن اُن کی سادگی۔ ایمانداری اور مکمل یقین کا مداح ہوں.. وہ انکار تو کر رہے ہیں.. اور میں اُن کا ساتھ دینا چاہتا ہوں“
”تم جیت نہیں سکتے..“

”ہاں.. میں یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ ایک ہماری ہوئی جنگ ہے... پھر بھی لڑنا چاہتا ہوں.. تصور کامل ہمیشہ ہار جاتا ہے.. اگر وہ جیت جائے تو تصور کامل نہیں ہوتا... اس کے لیے مرنے والوں کی موت مکمل ہوتی ہے جب کہ جیت جانے

والے ہمیشہ ایک بے یقین موت مرتے ہیں ..”

”تم ایک سمجھید نوجوان ہو جانی یہ میں جانتا ہوں .. اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہیں ہمیشہ سے علم اور سچ کی تلاش رہی ہے .. لیکن تمہاری ماں .. جس سے میری علیحدگی ہو چکی ہے کہ تمہاری برین واشنگن کی گئی ہے ورنہ تم ایسے تو نہ تھے ...“

”ہر عقیدہ ایک برین واشنگن ہی تو ہوتی ہے ڈیڈی ... اگر ایسا نہ ہو تو مذہبی تاریخ میں کوئی نیا عقیدہ بھی قبول نہ کیا جائے .. مویٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام نے بھی یہی کیا اور پھر ہمارے پیغمبرؐ نے بھی جو گزشتہ خیال اور بت تھے انہیں ذہنوں سے واش کر کے نئے خیال اور نئی سوچ کو داخل کیا .. تو می بالکل درست کہتی ہیں کہ میری برین واشنگن ہو چکی ہے ورنہ میں ایسا تو نہ تھا .. سوال یہ ہے کہ میں ویسارہنا نہیں چاہتا تھا اس لیے ایسا ہو گیا ہوں ..“

”تم اپنی عمر سے بڑی باتیں کرتے ہو جانی ...“

”یہ باتیں آپ ہی نے مجھ میں انجیکٹ کی ہیں ..“

”تو تم ہارنے کے لیے وہاں جانا چاہتے ہو؟“

”ہاں ...“